

حرف وفا

ظہور احمد نقی

الہتمام

وجہ

جملہ حقوق بحق شاعر محفوظ ہیں

شاعر : ظہور احمد نقی

نام کتاب : حرفِ وفا

موسم اشاعت : فروری 2022ء

کمپوزنگ : وجہیہ الحسن

تعداد : 500

مطبع :

زیر تعاون : 450 روپے

انتساب

بہنوں اور

بیوی بچوں کے نام

ترتیب

09	ظہور احمد نقی	عرض شاعر
12	سرور انبالوی	حرف وفا کی رعنائی
15		ایمان کی اساس ہے الفت حضورؐ کی
17		وہی مقبول اپنی بندگی ہے
19		وہ چاہتا تھا مجھے اپنی زندگی کی طرح
21		اک ذرا سی زندگی بھی کیا کرے
23		تیرے سوا تو کچھ بھی نہ چاہا جہان سے
25		ہے تصور میں گلستاں دیکھئے کب تک رہے
27		وہ ریاضی کے سوالوں کی طرح
29		دل کا کاغذ سیاہ کر لینا

60	خلد کو میں چھوڑ آیا اب خدا مانے کہاں	31	تمہاری یاد کے لیے وہ منظر ساتھ رکھتے ہیں
62	ہر نئی تحریک کی آواز میں شامل بھی ہوں	33	وہ نام جو کہ حرف و فابن کے رہ گیا
64	خود آ کے مجھے ملنے کی تری خُوبھی نہیں ہے	35	اس دل کے بہلنے کو یہ سامان بہت ہے
66	وہ تو درد آشنا ہے کیا کہیے	37	مجھے جان سے وہ عزیز ہے جو ہے نقش دل پر بنا ہوا
68	کیا دور تھا کہ جس میں محبت تھی بندگی	39	ہم میکدے میں ساقی سرشام آگئے
70	ستم یہ اپنی ہی جاں پر توڑ ہار رہا ہے دیا	41	جھونکے میری طرف صبا جیسے
72	نہیں میں دل کا ہی دل بھی غلام میرا ہے	43	جفا کا نام بھولے سے مرے لب تک نہ آتا تھا
74	زمانے بھر کی جفا بھی جسے جفا نہ لگے	44	عاشقی صرف اک تسلی ہے
76	جنہیں تلاشِ خدائی انہیں خدا نہ ملا	46	کسی سے ملاقات ہونے لگی ہے
78	تیرے جلووں میں کھو کر رہ گئی چشم تماشا ئی	48	زندگی رنج آشنا پائی
80	آپ جب آئے تو صدمات نے دم توڑ دیا	50	کسی کے دل کو بہلانے کی خاطر
82	سر مژگاں ستارہ سا سجا باقی رہے گا	52	جہاں سے اٹھ گئے ہیں خواب گر کیا
84	ہم سے پوچھو تباہ کب سے ہوئے	54	نکبت و نور کی دنیا بھی پریشاں ہم بھی
86	جو ذکر انجم و خورشید کر رہا ہوں میں	56	در پہ تیرے آگے لے کے دل بیمار کو
88	دل میں اک یادگار باقی ہے	58	ہر کسی پر غموں کی چھایا ہے

عرض شاعر

جہاں اللہ تعالیٰ نے کائنات میں رنگارنگی پیدا کی ہے، وہاں انسان کی طبیعت میں بھی جدت پیدا کی ہے۔ جہاں انسان کی شکل و صورت ایک دوسرے سے مختلف بنائی ہے وہاں سوچ اور پسند بھی جدا جدا تخلیق کی ہیں۔ اس لیے اگر کسی شخص کو ایک چیز پسند نہیں تو اس کا مطلب ہرگز نہیں کہ وہ شے بری ہوگئی۔ جہاں اور بہت کی چیزیں انسانوں کے بیچ موجب اختلاف ہیں، وہاں شاعری بھی ہے۔ افادیت پسند اس کو بے کار چیز سمجھتے ہیں اور شاعر اسے تمام فنون لطیفہ کی ماں سمجھتے ہیں۔ اگر دیکھا جائے پھول، خوشبو، رنگ، روشنی، جھرنے، قدرتی مناظر، چرند پرند وغیرہ تمام چیزیں انسان کی دل بستگی کے لیے ہیں۔ ان تمام قدرتی چیزوں سے جب انسان متاثر ہوتا ہے تو اس کی طبیعت اس کو کچھ کہنے پر کچھ بتانے پر مجبور کرتی ہے۔ شاعر لفظوں کا سہارا لیتا ہے مصور رنگوں سے مدد لیتا ہے اسی طرح جو بہتر انداز سے رنگوں کا استعمال کرتا ہے اور آنکھوں کو خیرہ کرتا ہے، وہ مصور کہلاتا ہے جو مناسب اور خوبصورت الفاظ کا سہارا لے کر واردات قلبی کا اظہار کرتا ہے وہ شاعر کہلاتا ہے قدرت کے یہ متنوع نظارے میرے اندر بھی ایک احساس اجاگر کرتے رہتے ہیں۔ ان احساسات اور خیالات کو اپنی کی کوشش کرتا ہوں کہ ان کو صفحہ قرطاس پر اتار دوں بچپن ہی سے میں تتلیوں، پھولوں، رنگوں اور موسیقی کا رسیا رہا ہوں جس کا لازمی

نتیجہ شاعری کی صورت میں نکلتا تھا۔ سو ایسا ہی ہوا اس طرح میں پہلا مجموعہ ودیعت وجدان“ لے کر بازار سخن میں وارد ہوا جہاں لوگوں نے اس کی پذیرائی کی وہاں اس کی خامیوں پر بھی انگشت نمائی کی جس سے

90

92

94

96

98

100

102

104

106

108

110

ترا ہی طور، جلوہ چاہتا ہوں
دیکھی ہوں جس نے بھی کبھی آنکھیں جناب کی
ایک جھونکے کی طرح آکر جو ٹکراتے ہیں لوگ
قریب حشر ہے وعدہ کوئی وفا ہوگا
اس کے لب کیوں نہ مقدس ہوں تیرے نام کے بعد
اپنی ہی خواہشوں سے جو مغلوب ہو گیا
وہ بظاہر تو زمانے سے نہاں رہتا ہے
رشتے ہیں سارے بیسوا کے پیار کی طرح
تری آمد کے یہ دیتے ہیں اشارے کتنے
میں بے وفائی کا خوگر ہوں تم وفانہ کرو
زندگی مجھ کو بلی ایسے سزا ہو جیسے

میں نے اپنی طبیعت کے مطابق کچھ سیکھا کچھ نہیں سیکھا۔

کالج کے زمانے سے میں جناب ڈاکٹر توصیف تبسم سے اصلاح لی۔ ”ودیعت وجدان“ کے بعد انہوں نے مجھے مشورہ دیا کہ میں مشاعروں میں شرکت کروں اور ”بزم گلزار ادب“ کے بانی جناب سرور انبالوی کے ہاں بھیج دیا کہ میں ان سے اصلاح بھی لوں اور طرحی مشاعروں میں بھی شرکت کروں اس طرح سرور انبالوی صاحب سے اصلاح لینا شروع کر دی۔

اردو کے تقریباً تمام شعراء کا واسطہ شروع میں غزل ہی سے پڑتا ہے۔ غزل وہ صنف سخن ہے جو دنیاۓ ادب میں وہ مقام رکھتی ہے جو ایک کولاطینی میں سائیت کو اٹالین میں دوہے کو ہندی میں بیت کو پٹھواری میں کافی کو سرائیکی میں ماہے کو پنجابی میں ہائیکو کو جاپانی میں حاصل ہے۔

اصناف سخن میں میری طبیعت بھی غزل کی طرف مائل رہی۔ ”ودیعت وجدان“ میں زیادہ تر غزلیں ہی ہیں اور موجودہ کتاب بھی غزلیات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کے بارے میں میری رائے یہی ہے کہ میں نے اسے شائع کر دیا اور اپنی تخلیق کسے اچھی نہیں لگتی مزا تو تب ہے کہ عام قاری اور نقاد اس کو سراہیں۔

زمانہ ماضی کے شعراء سے ہر کوئی متاثر ہوتا ہی ہے میں ہم عصر شعراء سے بھی بہت متاثر ہوا۔ مشاعروں اور ادبی محفلوں سے بھی بہت کچھ سیکھا اور یہ عمل جاری ہے اور جاری رہے گا اس وجہ سے مجھے اپنی شاعری کے بارے میں کوئی دُعا نہیں کہ اس میں کوئی خامی نہیں یا بہت اعلیٰ پائے کی شاعری ہے۔ جس پر انگلی نہیں اٹھائی جاسکتی۔ میری سوچ کے مطابق یہ رویہ بھی غلط ہے کہ اس خوف

سے شاعر ایک عمر گزار دے اور کتاب شائع نہ کرے اگر کوئی کام کیا جائے تو جہاں اس میں کامیابیاں ہوتی

ہیں وہاں ناکامیوں کے امکانات کو رد نہیں کیا جاسکتا۔ جو کام کرتا ہے وہ غلطیاں بھی کرتا ہے البتہ شعوری غلطی سے اجتناب برتنا چاہیے جس طرح جو یاد کرتا ہے وہ بھولتا بھی ہے جو کچھ یاد کرنے کی کوشش ہی نہ کرے وہ بھولے گا کیا۔ جو کچھ نہیں کرتا وہ غلطی بھی نہیں کرتا غلطیوں سے سبق سیکھنا انسان کے اپنے فہم پر ہے چونکہ شاعری کے میدان میں ابھی اپنے آپ کو طاق نہیں سمجھتا لیکن اپنی سعی کو لا حاصل بھی نہیں سمجھتا۔

ظہور احمد نقی

نئی آبادی، مورگاہ، راولپنڈی

Cell:0307-5078265

معتبر حوالہ ہے۔ ولی دکنی، میر تقی میر، غالب، داغ، حالی اور اقبال سے ہوتی ہوئی یہ تجربات اور مشاہدات کی مختلف بھٹیوں سے ہو کر گزری ہے اور آج کندن بن کر اپنی جوت جگا رہی ہے۔ غزل شاعر کے دل کی آواز ہوتی ہے۔ اس کی نمونچے اور کھرے جذبات کی عکاس ہوتی ہے اس لیے وہ زندہ و تابندہ رہی ہے، آج بھی زندہ ہے اور آنے والے دور میں بھی زندہ رہے گی۔ یہ سوئے ہوئے جذبات کو امہیز کرتی ہے۔ خوابوں میں رنگ بھرتی ہے۔ دلوں کو گرماتی اور ذہنوں کو برماتی ہے۔ علامہ اقبال نے غزل کی اہمیت کو یوں اجاگر کیا ہے۔

میں شاخ تاک ہوں میری غزل ہے میرا ثمر
مرے ثمر سے مئے لالہ فام پیدا کر

غزل وہ ظالم صنف ہے جو شاعر کو مار کر رکھ دیتی ہے۔ غزل یونہی رواروی میں نہیں کہی جاتی بلکہ اس کے لیے خون جگر صرف کرنا پڑتا ہے۔ گہرے سمندر میں غوا صی کرنی پڑتی ہے تب جا کر کہیں بات پیدا ہوتی ہے۔

صرف سیروں تن شاعر کا لہو ہوتا ہے
پھر کہیں ہوتی ہے اک مصرع تر کی صورت

ظہور نقی بھی بازار ادب میں اپنی غزلیات کا مجموعہ لے کر حاضر ہوئے ہیں۔ ان کی غزل ان کے برسوں کے ریاض، گہرے مطالعہ اور زندگی کے درون خانہ مشاہدہ کی عکاس ہوتی ہے۔ وہ رواروی میں شعر نہیں کہتے بلکہ نہایت محنت، غور و فکر اور معروضی حقائق کو سامنے رکھ کر قلم اٹھاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی غزل نہایت توانا اور فکر انگیز ہوتی ہے اور ادبی حلقوں میں قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے اس تناظر میں چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

حرف وفا کی رعنائی

سرور انبالوی

ظہور نقی ایک ابھرتا ہوا شاعر ہے۔ وہ سوچ سمجھ اور نہایت غور و فکر کے بعد شعر کہتا ہے۔ جس کی اساس اس کے گہرے مطالعہ اور زندگی کے گہرے مشاہدہ پر ہوتی ہے۔ وہ 'کاتا اور لے بھاگی' کا قائل نہیں بلکہ خوب سوچ سمجھ کر شعر کہتا ہے اور اگر یوں کہا جائے کہ وہ اپنے خون جگر میں انگلیاں ڈبو کر اپنے دلی جذبات کو شعر کے روپ میں صفحہ قرطاس پر سجاتا ہے تو بے جا نہ ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی غزل رنگین و رعنائی اور فکر و نظر، سوز و گداز اور معروضی احوال کا ایسا حسین و جمیل مرقع ہوتی ہے کہ قاری اور سامع متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا اور وہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ شاعر اپنے اشعار سے جو پیکر تراش رہا ہے اس میں

خود اس کی زیست کی جھلکیاں اپنی چھب دکھلا رہی ہیں اور ایسے معلوم ہوتا ہے کہ

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا

میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

غزل اردو شاعری کی سب سے پسندیدہ صنف سخن ہے بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ غزل شاعر کے

تجربات کا نچوڑ اور تمام اصناف سخن کے ماتھے کا جھومر ہے۔ غزل ہماری تین سو سالہ تہذیبی و تمدنی تاریخ کا

عشق شاید اسے ہی کہتے ہیں
اپنی حالت تباہ کر لینا
جب بھی دے یہ زندگی فرصت
پھر ادھر بھی نگاہ کر لینا

ان اشعار کی برجستگی اور تازہ کاری ان کی غزل کو معتبر بنانے کی غماز ہے اور سادگی و پرکاری
دلوں میں گھر کرنے کی ضامن ہے۔

ایک اور غزل کے چند اشعار

زمانہ بھر کی جفا بھی جسے بے جفا نہ لگے
مرا جنون وفا تو اسے وفا نہ لگے
گھٹا گھٹا سا ہے موسم عجیب الجھن ہے
ترے بغیر قفس اپنا آشیانہ لگے
نہیں نہیں یہ اذیت کبھی نہ ہو تجھ کو
خدا کرے کہ تجھے میری بددعا نہ لگے

حرف وفا“ ان کی غزلیات کا دوسرا مجموعہ ہے جو اس قسم کے خوبصورت اور رنگین اشعار کا گلدستہ
ہے۔ امید ہے ادبی حلقوں میں اسے خاطر خواہ پذیرائی حاصل ہوگی۔

اللہ کرے ذوق سخن اور زیادہ

راولپنڈی

۱۱ اپریل ۲۰۰۹ء

نعت رسول مقبول ﷺ

ایمان کی اساس ہے اُلفت حضورؐ کی
کرتے نہیں ہیں ہم تو عبادت حضورؐ کی

دستورِ کائنات محمدؐ کی زندگی
تسلیم سب نے کی ہے رسالت حضورؐ کی

منزل پہ جا ہی پہنچیں گے آخر کو ایک دن
جب رہنما ہے اپنی، فراست حضورؐ کی

کیوں در بدر ہوا ہے شفاعت کے واسطے
کیا جانتا نہیں ہے حقیقت حضورؐ کی

کب تک رہیں گے دُور محمدؐ سے اہلِ دل
اک دن تو کھینچ لے گی محبت حضورؐ کی

حسنِ جہاں رے گا محمدؐ کے دم کے ساتھ
ہے نورِ دو جہان کا سیرتِ حضورؐ کی

شکوہ رہے نہ پھر تو کسی بھی زبان پر
ہر دل میں ہو نقتی جو اطاعتِ حضورؐ کی

وہی مقبول اپنی بندگی ہے
کہ جس میں عجز ہے نامِ نبی ہے

حرا سے ابتدا ہے نورِ احمدؐ
ابھی تک معتبر وہ تیرگی ہے

عیاں اس سے محمد ﷺ کی محبت
مرے کردار میں جو عاجزی ہے

کہاں مدحت بیاں ہو گی جہاں سے
یہاں تو ختم ساری شاعری ہے

کبھی غارِ حرا سے جو اٹھی تھی
جہاں میں اس صدا سے آگہی ہے

در اقدس پر اک دن ہم بھی جائیں
دعا اب کبریا سے اک یہی ہے

کسی پر ظلم کر سکتا نہیں تو
اگر دل میں ترے یادِ نبیٰ ہے

نقی دیکھو! یہ ہے شانِ محمدؐ
وہی اول ہوا جو آخری ہے

وہ چاہتا تھا مجھے اپنی زندگی کی طرح
قریب سے وہ جو گزرا ہے اجنبی کی طرح

اداس رات کی پنہائیوں میں گم ہو کر
سویرا روٹھ گیا ہم سے چاندنی کی طرح

ہر ایک شخص کا لہجہ خداؤں جیسا ہے
کوئی تو بات کرے ہم سے آدمی کی طرح

وہ چاند چہرہ پریشانیوں کا محور ہے
بھٹک رہا ہے اندھیروں میں روشنی کی طرح

اگر نہ ہو جو میسر ہمیں دلوں کا گداز
تو آگہی بھی لگے ہم کو تیرگی کی طرح

نہ منزلوں پر سکوں تھا نہ راستوں کی تھکن
غم جہاں بھی لگا ہم کو عاشقی کی طرح

نقی یہ لوگ زمانے کی بات کرتے ہیں
ہم اپنے گھر میں بھی رہتے ہیں اجنبی کی طرح

اک ذرا سی زندگی بھی کیا کرے
ایک لمحے کی خوشی بھی کیا کرے

جاگتی آنکھوں کے سارے خواب تھے
خواب نامہ یوسفی بھی کیا کرے

مٹ نہیں سکتے اندھیرے رات کے
اک اکیلی چاندنی بھی کیا کرے

ہر طرف ابلیس کی ہیں یورشیں
اے خدا اب آدمی بھی کیا کرے

ہے کہیں پر جسم تو ہے دل کہیں
اس بنا پر بندگی بھی کیا کرے

تیرگی دل کی نہیں جاتی نفی
اس جہاں کی روشنی بھی کیا کرے

تیرے سوا تو کچھ بھی نہ چاہا جہان سے
گزرا ہوں ہر گھڑی میں کڑے امتحان سے

پہنچائے گی سفینہ یہ شاید اڑان سے
ٹکرا رہی ہے تند ہوا بادبان سے

چاہت سے کچھ زیادہ دیا تیری یاد نے
ملنے نہیں ہیں خواب کسی بھی دکان سے

کرتے ہیں تیری بات جو گلشن میں جا بجا
لگتے ہیں مجھ کو پھول تیرے ترجمان سے

اک جنبشِ نگاہ سے گردش میں جام ہیں
ساقی نہ ہٹ گیا ہو کہیں درمیان سے

کٹتے رہے جو یونہی زمیں سے شجر سبھی
برسے گا ایک دن لہو پھر آسمان سے

کون و مکاں بھی میرے لیے بچ ہیں نقی
اقرار مجھ سے کر لیا اس نے زبان سے

ہے تصور میں گلستاں، دیکھئے کب تک رہے
زندگی اپنی بیاباں، دیکھئے کب تک رہے

آدی تو ہے مگر اس سے نہیں کچھ بھی بعید
آدی مستور حیواں، دیکھئے کب تک رہے

راس آئی ہے بہاروں میں ہمیں دیوانگی
پاک ہے اپنا گریباں دیکھئے کب تک رہے

حادثے کتنے ہی گزرے، ہے سکوت دل وہی
گردشِ دوراں بھی حیراں دیکھئے کب تک رہے

دھوپ چھاؤں کی طرح اس کی طبیعت ہے نئی
وہ جو ہے مجھ سے گریزاں دیکھئے کب تک رہے

وہ ریاضی کے سوالوں کی طرح
زندگی اپنی مثالوں کی طرح

دیکھتا ہے اور سمجھتا کچھ نہیں
مجھ کو بھی فلمی رسالوں کی طرح

یاد آئے گی ہماری داستاں
عشق کے باقی حوالوں کی طرح

بُجھ کے رہ جاتا ہے آ کر سامنے
وہ جو ملتا تھا اجالوں کی طرح

ہے ادھوری آرزو میری نئی
زندگی کے اور سوالوں کی طرح

دل کا کاغذ سیاہ کر لینا
زندگی ہے گناہ کر لینا

عشق شاید اسے ہی کہتے ہیں
اپنی حالت تباہ کر لینا

جب کبھی دے یہ زندگی فرصت
پھر ادھر بھی نگاہ کر لینا

آگ میں کودنے سے مشکل ہے
تیرے کوچے میں راہ کر لینا

کارنامہ ہے یہ بھی دنیا میں
زندگی سے نباہ کر لینا

دیکھ لینا اسے مگر چھپ کر
خوبصورت گناہ کر لینا

ہے یہ دیوانگی نقی لیکن
چاہو تو اس کی چاہ کر لینا

تمہاری یاد کے لیے وہ منظر ساتھ رکھتے ہیں
جو سلگائیں دل و جاں ایسے انگڑ ساتھ رکھتے ہیں

یہ شیوہ تو نہیں ان کا چلو ہم مان لیتے ہیں
مسیحائی کریں گے وہ جو نشتر ساتھ رکھتے ہیں

کبھی ہے وصل کا لمحہ کبھی ہے ہجر کا موسم
خوشی کے کھیل میں ساحل سمندر ساتھ رکھتے ہیں

بہت محتاط رہتے ہیں سکندر کے حوالے سے
بھٹک جانے کے ڈر سے ایک رہبر ساتھ رکھتے ہیں

چلے ہیں جانب منزل نہیں زاد سفر کچھ بھی
دفور شوق میں بھولے جو اکثر ساتھ رکھتے ہیں

گریزاں ہو گیا سایہ یہ کس کا ہم پر سایہ ہے
ازل کے روز سے سایہ مقرر ساتھ رکھتے ہیں

نہیں سیلِ جوانی وہ مگر دل تو دھڑکتا ہے
کہانی عمر رفتہ کی برابر ساتھ رکھتے ہیں

ابھی زعمِ جنوں باقی بہار آئے خزاں آئے
تراشیں گے کوئی پیکر جو پتھر ساتھ رکھتے ہیں

تمہارا پوچھ لیں گر خضر سے تو سوچ لو کیا ہو
نصیب ایسا نفی سخت سکندر ساتھ رکھتے ہیں

وہ نام جو کہ حرف وفا بن کے رہ گیا
یہ زخمِ دل اسی کی عطا بن کے رہ گیا

نظریں ملا کے کھو گیا دنیا کی بھیڑ میں
اک شخص میرے لب پہ دعا بن کے رہ گیا

رُوٹھا وہ جس گھڑی تو قیامت گزر گئی
لحمہ وہ عمر بھر کو سزا بن کے رہ گیا

میں دھڑکنیں شمار کروں اس کے نام سے
جو شخص میرے دل کی صدا بن کے رہ گیا

آتا نہیں نظر جو ہے دل میں بسا ہوا
میرے لیے تو وہ بھی خدا بن کے رہ گیا

ڈھونڈوں نئی میں دل کے نہاں خانے میں جسے
وہ پھول موسموں کی ادا بن کے رہ گیا

اس دل کے بہلنے کو یہ سامان بہت ہے
دکھ تجھ سے بچھڑنے کا مری جان بہت ہے

ہم ہم کے برستی ہیں تری آنکھیں حیا سے
گو ان میں چھپا پیار کا طوفان بہت ہے

میں شہر تمنا سے گزر جاؤں گا لیکن
کھو جاؤں ترے کوچے میں امکان بہت ہے

آنگن میں جو اترے تری امید کے سائے
اب آو نہ آو یہی احسان بہت ہے

سوغات تو بخشی ہے مجھے زخمِ جگر کی
اپنے ہی کرم پر وہ پشیمان بہت ہے

جینا ہے مجھے اب تو غموں کے ہی سہارے
مر جانا تو غم میں نقی آسان بہت ہے

مجھے جان سے وہ عزیز ہے جو ہے نقشِ دل پر بنا ہوا
کہیں خونِ دل سے لکھا ہوا کہیں آنسوؤں سے مٹا ہوا

نہیں قید میں کسی جسم میں نہ تلاش کر تو مرا بدن
نہیں میری کوئی اکائی بھی میں ہوں کرچیوں میں بٹا ہوا

مجھے دشمنی کا تو ہے یقین مجھے دوستی کا یقین نہیں
مجھے دشمنوں کا تو ڈر نہیں میں ہوں دوستوں کا ڈسا ہوا

یہ ازل سے ریت ہے پیار کی نہ جدا ز میں سے ہے آسماں
کہیں تو زمیں ہے اٹھی ہوئی نہیں آسماں ہے جھکا ہوا

نہ مرے نصیب میں روشنی نہ ملی ہے مجھ کو وہ تیرگی
ہوں سیاہ بخت کہ حرف حرف ہے لکھا ہوا بھی مٹا ہوا

نقی زندگی تو فریب ہے چھپی موت میں ہیں حقیقتیں
بری آرزوئیں جہان کی یہاں کون ان سے بچا ہوا

ہم میکدے میں ساقی سر شام آگئے
پھر یاد بھولے بسرے کئی نام آگئے

پیغام میرے نام جو بے نام آگئے
انعام تھے جو نام پر الزام آگئے

کچھ واسطہ تھا ان سے عنادل بھی رو پڑے
صیاد جو چمن کے تہہ دام آگئے

ہو کر ٹارن پر یہ ہم سوچتے رہے
کارِ جہاں میں ہم بھی تو کچھ کام آ گئے

مت لا جبین پہ تو عرقِ انفعال کو
قصے بہار کے جو سرِ عام آ گئے

دار و رسن کے شور کا احسان تھا نفی
وہ دیکھنے تماشا لب بام آ گئے

جھونکے میری طرف صبا جیسے
دے رہا ہے کوئی صدا جیسے

وہ ملا تو سکوں ملا ایسے
مل گیا ہو مجھے خدا جیسے

اس طرح اب بھی ہنس کے ملتا ہے
وہ ہوا ہی نہیں خفا جیسے

کیسی یہ ٹوٹ پھوٹ دل میں ہے
مجھ سے وہ ہو گیا جدا جیسے

جی رہا ہوں تیرے بغیر نفی
زندگی ہو کوئی سزا جیسے

جفا کا نام بھولے سے مرے لب تک نہ آتا تھا
کوئی الزام بھولے سے مرے لب تک نہ آتا تھا

کہاں دل کو جلاتا تھا کسی کی یاد سے پہلے
کوئی بھی جام بھولے سے مرے لب تک نہ آتا تھا

گزرتی جا رہی تھی زندگی بے کیف بن تیرے
کوئی انجام بھولے سے مرے لب تک نہ آتا تھا

نفی اندر ہی اندر میں سلگتا تھا مگر پھر بھی
ترا تو نام بھولے سے مرے لب تک نہ آتا تھا

کون مشکل میں ساتھ دیتا ہے
دوستی صرف اک تسلی ہے

دُھندلے منظر دکھائی دیتے ہیں
چاندنی صرف اک تسلی ہے

کون کافر یقین کرتا ہے
آپ کی صرف اک تسلی ہے

موت سے ہی ملے سکوں ابدی
زندگی صرف اک تسلی ہے

تیری یادیں، سرور دیتی ہیں
میکشی صرف اک تسلی ہے

کچھ نہیں آسمان حقیقت میں
یہ نقی صرف اک تسلی ہے

عاشقی صرف اک تسلی ہے
ہر خوشی صرف اک تسلی ہے

اے خدا کیا یہی سمجھ لوں میں
بندگی صرف اک تسلی ہے

چشمِ بینا سے کیا تجھے دیکھیں
روشنی صرف اک تسلی ہے

عارضی ہے یہاں جہاں سارا
دائمی صرف اک تسلی ہے

وہ تھی جیت اپنی کہ دل پر تھا قابو
یہ لگتا ہے اب مات ہونے لگی ہے

جہاں تھا کبھی اپنے سجدوں کا چرچا
وہ بستی خرابات ہونے لگی ہے

بہت حظ اٹھایا ہے آوارگی کا
نقی گھر چلو رات ہونے لگی ہے

کسی سے ملاقات ہونے لگی ہے
مکمل مری ذات ہونے لگی ہے

مسلل رہا ساتھ جب سے کسی کا
تھا ڈر جس کا وہ بات ہونے لگی ہے

حقائق سے تو بن رہے ہیں فسانے
ہمیں فکر حالات ہونے لگی ہے

وہ کلی پھول بن گئی آخر
چند لمحے جو مسکرا پائی

خارِ صحرا بھی ہو گئے سیراب
کام آئی ہے آبلہ پائی

کیوں نہ ہوتے خفا جہاں والے
جب طبیعت نقی جدا پائی

زندگی رنج آشنا پائی
ہم نے کس جرم کی سزا پائی

کون سی شے پر اعتبار کریں
زندگی تک تو بے وفا پائی

تیرے کوچے سے جب کبھی گزرے
وہ ہی مخمور سی فضا پائی

جلا گر ایک پروانہ تو کیا غم
جلی ہے شمع پروانے کی خاطر

مٹایا خود کو ہم نے جن کی خاطر
وہی آئے ہیں سمجھانے کی خاطر

بہانہ تھا کوئی وعدہ نہیں تھا
وہ وعدہ آنے کا جانے کی خاطر

کیا کیا کیا نہیں ہم نے جہاں میں
نقی اس بت کو اپنانے کی خاطر

کسی کے دل کو بہلانے کی خاطر
بہار آئی ہے دیوانے کی خاطر

جو خاطر میں نہ لاتے تھے چمن کو
لئے ہیں آج ویرانے کی خاطر

ہوائیں رخ بدل کر چل رہی ہیں
کسی کی زلف سلجھانے کی خاطر

کٹی ہے کرب میں یہ عمر ساری
شبِ غم کی بھی ہو گی سحر کیا

میسر خلق کو سایہ نہیں ہے
تو ایسے پیڑ اور ایسے شجر کیا

ہے رگ رگ زہر سے آلودہ جن کی
تو پھر کیا پات ان کے اور ثمر کیا

یقین تو شک سے آلودہ ہوا ہے
ہماری ان دعاؤں کا اثر کیا

نقی سود و زیاں کا معرکہ ہے
زمیں کیا ہے زماں کیا اور بشر کیا

جہاں سے اٹھ گئے ہیں خواب گر کیا
زمانہ ہو گیا زیر و زبر کیا

اگر ہو باغباں دشمن ہی اپنا
جلائیں گے چمن برق و شرر کیا

گلوں پر اوس کے قطرے ہی قطرے
چمن روتا رہا ہے رات بھر کیا

آدمیت نہ رہی پھر بھی ہیں زندہ ہم لوگ
اک نفس قید ہے ہم میں کہ ہیں زنداں ہم لوگ

ہر کوئی تیرا ہوا خواہ نظر آتا ہے
شب سیاہ پوش ہے اور چاک گریباں ہم بھی

آرزوؤں کو امیدوں کی تسلی دے کر
ٹال آئے ہیں نقی گردشِ دوراں ہم بھی

نکھت و نور کی دنیا بھی پریشاں ہم بھی
تو بھی خاموش ہے اے شمع شبستاں ہم بھی

ہر نئی چیز سے ہو جاتے ہیں نالاں ہم بھی
سوچتے ہیں کہ ہیں کسی دور کے انساں ہم بھی

بے سبب کیسے بدل جاتے ہیں ہمرازیہاں
انقلاباتِ زمانہ پہ ہیں حیراں ہم بھی

اے خدا سنتا ہوں پھر جائیں گے میرے رات دن
کیا بدل سکتا نہیں تو اک نگاہِ یار کو

مارے مارے پھر رہے ہیں آج اُن کے شہر میں
خشک پتوں سے عداوت کس لیے اشجار کو

بن کے ناگن جو ہمیں ڈستی رہی ہے عمر بھر
زندگی کے ہم کہہ رہے ہیں کاکلِ خمدار کو

در پہ تیرے آ گئے لے کے دلِ بیمار کو
دیتے جنبش ذرا اب تو لبِ اظہار کو

ہم نوا جس کو بنایا تھا کبھی اک عمر میں
ڈھونڈتے ہی رہ گئے ہیں ہم اسی غمِ خوار کو

رایگاں جانے لگے جب وصف اپنی ذات کے
سی لیا ہے اس لیے ہم نے لبِ اظہار کو

اک بہانہ نیا اسے سوجھا
سوچ کر کچھ وہ مسکرایا ہے

ہم جسے جانتے رہے اپنا
کیا خبر تھی کہ وہ پرایا ہے

کیا ٹھکانہ ہے میری خوشیوں کا
دل سے اس نے مجھے بلایا ہے

ہم نے جانا نفی مقدر کو
غم ہے اپنا تو سکھ پرایا ہے

ہر کسی پر غموں کی چھایا ہے
حالِ دل جس کو بھی سنایا ہے

دکھ جہاں کا سمیٹ کر دل میں
لحہ لہہ اسے سنایا ہے

دھوپ اُس کو گزند کیا دے گی
تیری پلکوں کا جس پہ سایہ ہے

ہم روایت کے پجاری میکشی کی تہمتیں
تیری آنکھوں جیسے ملتے ہم کو پیمانے کہاں

راستہ پڑ پچ اور یہ کارواں اپنا نہیں
میری قسمت مجھ کو لے آئی خدا جانے کہاں

چھوڑ آئے ہم جہاں گزرے دنوں کی تلخیاں
ایسے ویرانے کہاں اور ایسے میخانے کہاں

دیکھ کر اس کو تو میرا دل دھڑکتا ہے نقی
دل سے کچھ کہہ رہا ہے دل کی وہ مانے کہاں

خلد کو میں چھوڑ آیا اب خدا مانے کہاں
چھوڑ کر دنیا میں جاؤں تجھ کو اپنانے کہاں

ابتدا میں خیر ہو انجام ہو جن کا بخیر
حادثوں کی ہے یہ دنیا ایسے افسانے کہاں

آس کی ان تتلیوں کے رنگ پھیکے پڑ گئے
جگنوؤں کی روشنی میں آ کے پہچانے کہاں

ڈھونڈتی پھرتی ہیں مجھ کو آرزویں رات دن
آس کی ان کشتیوں کا میں ہی تو ساحل بھی ہوں

وہ جو کہتے جا رہے ہیں مانتا جاتا ہوں میں
ہوں تو میں مظلوم لیکن ظلم میں شامل بھی ہوں

جسم سے جاں دل سے وہ جانتا نہیں میں کیا کروں
ہوں بظاہر پرسکون اندر سے میں بے کل بھی ہوں

آپ مطلوب جہاں میں ہوں فقط شاعر نعتی
سوچتا بالکل نہیں میں آپ کے قابل بھی ہوں

ہر نئی تحریک کی آواز میں شامل بھی ہوں
میں مسیحا بھی ہوں لیکن اپنا ہی قاتل بھی ہوں

اپنے ہونے کا گماں ہے ہر نئی تضحیک پر
اک تماشا ہی نہیں میں رونق محفل بھی ہوں

ظلمت شب سے سحر دامن چھڑا سکتی نہیں
اے اجالوں کے مسافر میں تری منزل بھی ہوں

اسلوب جہاں سیکھ لیا ہو گا کسی سے
کیا رنگ وفا پھول میں خوشبو بھی نہیں ہے

پتھرائی ہوئی آنکھوں سے اظہارِ تمنا
اب درد بھری آنکھ میں آنسو بھی نہیں ہے

ساتھ اپنا بھی چھوڑ گئے راہِ وفا میں
اب جا کے کھلا ہے کہ مرا تو بھی نہیں ہے

پہلی سی میری بات میں وہ بات نہیں گر
پہلا سا تری آنکھ میں جادو بھی نہیں ہے

اب کون نقتی ہے جو مرے دل کو سنبھالے
اب دل میں تری یاد کی خوشبو بھی نہیں ہے

خود آ کے مجھے ملنے کی تری خُوبی نہیں ہے
تنہائی کا محرم مری کیا تُو بھی نہیں ہے

یہ میرا مقدر ہے کہ گھنگھور اندھیرے
خورشید جہاں کیا ہو کہ جگنو بھی نہیں ہے

وہ سامنے تھا اپنے تو سوچا بھی نہیں تھا
اب کوئی ملاقات کا پہلو بھی نہیں ہے

چاہتے ہیں جہاں کے لوگ جسے
زندگی بے وفا ہے کیا کہیے

یاد اُس کی تو ہے مرا جیون
ایک ہی آسرا ہے کیا کہیے

دُور رہتے ہیں آج اپنے بھی
کیوں مخالف ہوا ہے کیا کہیے

اُس کو کانٹوں سے کھینچ لوں کیسے
زیست نازک ردا ہے کیا کہیے

من ہی جاتا ہے وہ گھڑی بھر میں
رُوٹھنا بھی ادا ہے کیا کہیے

صرف اس کی نقی شکایت کیوں
ہر کوئی بے وفا ہے کیا کہیے

وہ تو درد آشنا ہے کیا کہیے
کیوں وہ ہم سے خفا ہے کیا کہیے

بھول جاؤں اسے مگر کیسے
وہ تو دل کی صدا ہے کیا کہیے

صرف تم کو گلہ نہیں ہم سے
اک زمانہ خفا ہے کیا کہیے

دُور رہ کر بدل گیا ہو گا
پاس مرے رہا ہے کیا کہیے

کس طرح ان کے سر کی ردا بن سکیں گے اب
ہم جن کی بن سکے تھے نہ پاؤں کی دھول بھی

وہ عاجزی ہماری ذرا یاد کیجئے
گر آگئی مزاج میں تھوڑی سی برہمی

بجلی کے ققموں سے تو روشن کیا ہے گھر
کس طرح جائے گی یہ مرے دل کی تیرگی

اک عمر سوچتے رہے یہ بیٹھ کر نفی
اس کے بغیر گزرے گی کیسے یہ زندگی

کیا دور تھا کہ جس میں محبت تھی بندگی
مٹی ہی جا رہی ہے وہ تہذیب عاشقی

مدت گزر گئی ہے مگر یاد کیجئے
آئی تھی میرے نام سے چہرے پر روشنی

کہتے ہیں لوگ اس کو کہ احساس غم نہیں
جب تک نہ دیکھ لیں وہ کسی آنکھ میں نمی

یہ چاند تارے تو اترے نہیں ہیں دنیا میں
تو پھر یہ کس سے نگاہیں ملا رہا ہے دیا

یہ عاشقی ہے کہ جس کی نہیں کوئی منزل
رہ فنا کا وہ رستہ دکھا رہا ہے دیا

جو واپسی کا ہے رستہ بھلا نہ دو تم بھی
منڈیر اپنی پر کوئی جلا رہا ہے دیا

یہ انتظار ہے کیا، ہوئی سحر کب کی
ابھی تک کیوں نقی ٹم ٹما رہا ہے دیا

ستم یہ اپنی ہی جاں پر تو ڈھا رہا ہے دیا
کسی کی یاد میں خود کو جلا رہا ہے دیا

یہ منہ چھپائے ہوئے ہے گھنیری زلفوں میں
یہ کون قبر پر میری جلا رہا ہے دیا

کسی کی یاد اڑا کر جو لے گئی تھی کبھی
تو عمر بھر یہ ہوا سے خفا رہا ہے دیا

مجھے تو ایک ہی اچھی لگی غلط فہمی
کہ تیرے پہلو میں خالی مقام میرا ہے

وہ منقسم تو نہیں ہے کسی بھی پہلو سے
ذرا ذرا سا نہیں وہ تمام میرا ہے

جو دلفریب بہت ہے یہ شاعری کا جہاں
ترا ہی ذکر ہے جس میں، کلام میرا ہے

ملے اگر تجھے فرصت ادھر نگاہِ کرم
جو اتنی دیر سے خالی ہے جام میرا ہے

غمِ حیات سے لڑنا مگر وہ دل میں رہے
یہی تو کامِ نعتی صبح و شام میرا ہے

نہیں میں دل کا ہی دل بھی غلام میرا ہے
جو دشمنوں کے بھی دل میں مقام میرا ہے

مفر نہیں ہے مجھے زندگی کی تلخی سے
حقیقتوں کا مرقع کلام میرا ہے

عجب کہانی تراشی مرے تخیل نے
جو تیرے نام کے ساتھ آیا نام میرا ہے

طلب اسی کی یہ دل بار بار کرتا ہے
یہ دل مرا تو حقائق سے آشنا نہ لگے

ق

کبھی کبھی میرے لب پر دُعا یہ آتی ہے
مجھے بھلانے میں تجھ کو بھی اک زمانہ لگے

نہیں نہیں یہ اذیت کبھی نہ ہو تجھ کو
خدا کرے کہ تجھے میری بددعا نہ لگے

وہ خود ہی چل کے مرے گھر نقتی جو آجائے
یہ انقلابِ زمانہ کوئی فسانہ لگے

زمانے بھر کی جفا بھی جسے جفا نہ لگے
مرا جنونِ وفا تو اسے وفا نہ لگے

کوئی بھی درد جہاں کا ہمیں برا نہ لگے
ہر ایک لفظ تسلی کا، تازیانہ لگے

گُٹھا گُٹھا سا ہے موسمِ عجیب اُلجھن ہے
ترے بغیر قفس، اپنا آشیانہ لگے

جدھر اٹھائی نظر اُس طرف ملے رستے
تمہارے گھر کو جو جائے وہ راستہ نہ ملا

کوئی تھا خطر تو کوئی ملا ہمیں کیدو
رہ طلب میں کوئی تو ناخدا نہ ملا

نقی میں اپنے مقدر کو دوش دوں کیسے
میں مسندوں کا پجاری تھا بور یا نہ ملا

جنہیں تلاش خدا تھی انہیں خدا نہ ملا
مجھے تو دنیا میں کوئی ترے سوا نہ ملا

اسے میں عدل کہوں یا کہوں ہے مجبوری
کسی زبان پر اب تک ترا گلہ نہ ملا

کہوں تو کیسے کہوں دل کی بات میں اُن سے
ملے ہیں دوست بہت درد آشنا نہ ملا

بہت ہی مضطرب ہے دل نہ جانے آج کیا ہوگا
ہمیں ہر سانس ہر لمحہ تمہاری یاد کیوں آئی

جہاں بھر کے کہے قصے وہ ٹیلیفون پر اس نے
بہت کچھ کہہ دیا اس نے جو کہنا تھا نہ کہہ پائی

عیاں ہے میرے چہرے سے نہیں اس کو چھپا سکتا
وہی بے نام سی الجھن جو میرے دل میں در آئی

عجب دستور دیکھا ہے جہاں بھر میں نفی ان کا
کوئی ان کی گلی جائے کوئی لوٹے تو رسوائی

تیرے جلوؤں میں کھوکر رہ گئی چشمِ تماشائی
جہاں دیکھا جسے دیکھا تری صورت اُبھر آئی

یہ شاید خود فریبی ہے کہ تیرے حسن کا جادو
جو دیکھا آئینہ میں نے تری صورت نظر آئی

نہ صہبا ہے نہ ساقی نہ تو آئی خیالوں میں
عجیب احساس لائی ہے یہ خاموشی یہ تنہائی

جن پرندوں سے چمن میں تھی جو رونق کل تک
ان پرندوں کے بھی نغمات نے دم توڑ دیا

یاد آتی ہیں مجھے پھر وہ برستی آنکھیں
سامنے جن کے تو برسات نے دم توڑ دیا

ہم تو پھرائے ہوئے پھرتے ہیں کوچے میں ترے
اور پھر یوں ہوا جذبات نے دم توڑ دیا

اپنی ہستی کا کوئی مقصد و مصرف ہی نہیں
غم کریں کس لیے حالات نے دم توڑ دیا

اب تو ہر غم پر نئی مجھ کو ہنسی آتی ہے
غم ملے اتنے کہ صدمات نے دم توڑ دیا

آپ جب آئے تو صدمات نے دم توڑ دیا
پھر تو ناسازی حالات نے دم توڑ دیا

صاحبان نے تو بھی تیر ہی کچھ توڑے تھے
پھر محبت کی روایات نے دم توڑ دیا

اک دوجے کو خدا سے جو کبھی مانگتے تھے
تیرے جاتے ہی عبادات نے دم توڑ دیا

چلو خود تو نہیں آئے گلہ اس کا نہیں ہے
نہ ٹیلیفون کرنے کا گلہ باقی رہے گا

فراتِ کربلا سے یہ کہا مظلوم نے پھر
سرِ آبِ رواں میرا لکھا باقی رہے گا

محبت کے جہاں کا تو عجب دستور دیکھا
جسے ہو گا نقی ذوق فنا باقی رہے گا

سر مژگاں ستارہ سا سجا باقی رہے گا
مگر اک خواب آنکھوں میں بسا باقی رہے گا

ادھر میں ہوں ادھر وہ ہیں کہ دریا کے کنارے
مٹا سکتے نہیں یہ فاصلہ باقی رہے گا

مرے مٹنے سے مٹ سکتے نہیں جذبات میرے
مرا دل تیری یادوں سے سجا باقی رہے گا

ہم کو حق ہے کہ ہم بھی فخر کریں
لائق رسم و رہ جب سے ہوئے

کھوٹ جب سے دلوں میں رکھا ہے
دل کے کاغذ سیاہ تب سے ہوئے

اب عنایت کریں گے وہ مجھ پر
وہ نقی خوش نگاہ کب سے ہوئے

ہم سے پوچھو! تباہ کب سے ہوئے
آپ عالم پناہ جب سے ہوئے

میں ہی کیوں لائق سزا ٹھہرا
اس طرح تو گناہ سب سے ہوئے

پوچھنے آئے وہ بھی حال مرا
وہ مرے خیر خواہ کب سے ہوئے

غزل غزل تو نہیں، ہے ترا ہی ذکر خیر
ترے وجود کی تمہید کر رہا ہوں میں

جو بے وفا ہے نقتی تو مقام کیا مرا
ترے بغیر بھی تو عید کر رہا ہوں میں

جو ذکر انجم و خورشید کر رہا ہوں میں
کسی کی آنکھوں کی تقلید کر رہا ہوں میں

ترے من کا ہے اعجاز یا مری فطرت
ہر ایک بات کی تائید کر رہا ہوں میں

تری طرف سے میں خود کو اذیتیں دے کر
گئے دنوں کی یہ تجدید کر رہا ہوں میں

کیسے ہو گا کہ وہ نہ آئیں گے
ان کا جب انتظار باقی ہے

اب تو تو آجا توڑ کر رسمیں
وہ ترا رگوار باقی ہے

یوں تو احساس مٹ گئے سارے
صرف تیرا ہی پیار باقی ہے

وقت نے تو بھلا دیا سب کچھ
قول تھا استوار، باقی ہے

حسرتیں ہو گئیں نفی رخصت
اک دلِ داغدار باقی ہے

دل میں اک یادگار باقی ہے
بس ترا اعتبار باقی ہے

مضمحل ہو گئے قویٰ سارے
اک دل بے قرار باقی ہے

اک تصور ترا، تری یادیں
ہلکا ہلکا خُمار باقی ہے

سوا تیرے نظر آئے نہ کوئی
میں ایک اپنی دنیا چاہتا ہوں

مجھے منظور کب رسوائی تیری
محبت کا میں چرچا چاہتا ہوں

ترے گھر کو بھی دیکھا تھا میں نے
وہی جنت کا نقشہ چاہتا ہوں

سوا میرے کوئی جس کو نہ جانے
ترے گھر کا وہ رستہ چاہتا ہوں

جو کر دے آتش غم کو دوبالا
نقی میں وہ مسیحا چاہتا ہوں

ترا ہی ”طور جلوہ چاہتا ہوں
تماشا ہی تماشا چاہتا ہوں

نظر آتا نہیں کچھ روشنی میں
نہ جانے کیوں اندھیرا چاہتا ہوں

برستی رہتی ہیں آنکھیں مسلسل
مگر دل کو ٹھیکبا چاہتا ہوں

آب حیات کو دم عیسیٰ کو کیا کروں
میری طلب کا منتہا صورت جناب کی

ہاتھوں سے سر سے پاؤں اشارے ہوا کیے
اب رہ گئی ہے کیا یہاں حاجت نقاب کی

دنیا میں اعتبار بصارت ہی کھو گیا
اس کی بھی شکل لگتی ہے صورت سراب کی

اس کے تو سامنے نقی ایسا ہوا خجل
حد سے بڑھی تھی اس گھڑی سرخی گلاب کی

دیکھی ہوں جس نے بھی کبھی آنکھیں جناب کی
رہتی نہیں اسے کبھی حاجت شراب کی

اک پل میں کیوں لگا مری آنکھیں جھپک گئیں
ایسے جیسے ہیں زیست ہو جیسے جناب کی

جوشِ جنوں میں پوچھتا پھرتا ہوں در بدر
کیوں ملتفت ہے چشم تغافل جناب کی

جن کو دیکھا ہی نہیں ہوتا کبھی بھی زیست میں
جانے کیسے دل میں چپکے سے اتر جاتے ہیں لوگ

مسکراتے ہیں کبھی تو خوں رلاتے ہیں کبھی
دیدہ خوں بار لے کر اُس گھلی جاتے ہیں لوگ

دور ہوں تو دور ہیں اس کا گلہ کچھ بھی نہیں
پاس رہ کر بھی تو دیکھا کیسے تڑپاتے ہیں لوگ

دوش کیا دیں ہم کسی کو وقت ہی استاد ہے
”وقت جب تبدیل ہوتا ہے بدل جاتے ہیں لوگ“

ایک وضع داری تھی پہلے شرافت کا نشان
اب وفا کر کے نقی دیکھا کہ شرما تے ہیں لوگ

ایک جھونکے کی طرح آ کر جو ٹکراتے ہیں لوگ
دور جا کر دھوپ کی صورت وہ جھلساتے ہیں لوگ

جن کو پا کر سوچتے ہیں ہو گئی تکمیل ذات
اک حسیں سے موڑ پر آ کر بچھڑ جاتے ہیں لوگ

آتش پنہاں لیے اور خوف رسوائی لیے
کوچہ جانناں میں ایسے بھی کبھی آتے ہیں لوگ

وہ تیرا آنا قیامت سے کم نہیں لیکن
یہ تیرا جانا بہت صبر آزما ہو گا

مزاج اس کا مری سوچ سے نہیں ملتا
قریب رہ کے بھی صدیوں کا فاصلہ ہو گا

جو جان بوجھ کے کرتا رہا نظر انداز
وہ میرے بارے میں اب کچھ تو سوچتا ہو گا

یہ دل مرا ہے نئی سنگ و خشت کا عادی
وہ سنگ دل ہی سہی کچھ نہ کچھ عطا ہو گا

قریب حشر ہے وعدہ کوئی وفا ہو گا
وہ وقت دور نہیں اس کا سامنا ہو گا

اس خیال میں میں نے گزار دی اک عمر
کوئی تو ہو گا میرا درد آشنا ہو گا

اسی لیے تو اسے زندگی میں کہتا تھا
کہ زندگی کی طرح وہ بھی بے وفا ہو گا

میں نے چاہا ہے تجھے روح کی گہرائی سے
کون چاہے گا تجھے حسن کے انجام کے بعد

کس طرح قطع تعلق میں کروں گا اُن سے
میں تو پہنچا ہوں ترے در پر بھی اصنام کے بعد

دن تو پھر دن ہے یہاں اس کے ہیں اپنے قصبے
کاش تم دیکھتے اس دل کی تڑپ شام کے بعد

صدق جتنا بھی ہو پھر بھی وہ سزا پاتا ہے
عشق کیا کیجئے نقی قیس کے انجام کے بعد

اُس کے لب کیوں نہ مقدس ہوں تیرے نام کے بعد
لے لیا اس نے ترا نام بھی دشنام کے بعد

یاد آتے ہیں بہت دن کے وہ ہنگام کے بعد
زندگی تو مجھے لگتی ہے سزا شام کے بعد

اب فصاحت و بلاغت کی طلب ہے کس کو
کچھ نہیں آتا مرے لب پہ ترے نام کے بعد

جس کو بھی اس نے دیکھ لیا اک نگاہ سے
پھر وہ تو سارے شہر کا محبوب ہو گیا

جس نے بھی درد بانٹنے کی بات ہم سے کی
پھر شہر میں ترے وہی مصلوب ہو گیا

پوچھو نہ کیا ہوا ہے ترے انتظار میں
ہر پل مرا تو دیدہ یعقوب ہو گیا

میں سوچتا رہا ہوں نفی جس کو عمر بھر
لمحوں میں، ایک غیر سے منسوب ہو گیا

اپنی ہی خواہشوں سے جو مغلوب ہو گیا
سب کی نگاہوں میں وہی معتوب ہو گیا

میرے لیے تو ایک ہی دکھ کی بات ہے
سارے جہاں سے غم تیرا منسوب ہو گیا

لیتا رہا جو نام تیرا بات بات میں
کہتے ہیں لوگ اس کو وہ مجذوب ہو گیا

مجھ سے پوچھو نہ جہاں میں یہ ہے رونق کیسی
سامنے میرے کہاں سارا جہاں رہتا ہے

جسم شاداب دہکتے ہوئے عارض، گیسو
میری آنکھوں میں یہی ایک سماں رہتا ہے

وہ بظاہر تو زمانے سے نہاں رہتا ہے
عکس اس کا ہی جہاں بھر میں عیاں رہتا ہے

میں تو لفظوں کی صداقت پر یقین رکھتا ہوں
دل کہ گرویدۂ حسن و بیاں رہتا ہے

بس میں جو کام ہے وہ کام کیے جاتا ہوں
کیا عجب آنکھوں میں جو سیل رواں رہتا ہے

وہ سر رہ جو نظر آیا تو احساس ہوا
عمر بھر کون حسین کون جواں رہتا ہے

آب بقا کا دوستو اب کیا سوال ہے
اک ایک سانس لگتی ہے آزار کی طرح

بازار میں جو بیٹھا تھا کل تک بطور جنس
دیکھا ہے آج اس کو خریدار کی طرح

اس دورِ روسیاء کی اب کیا مثال دوں
منصف بھی قید میں ہیں گنہگار کی طرح

ہر شخص میرے عہد کا حیران ہے نقی
خطرے میں جان و دل بھی ہیں دستار کی طرح

رشتے ہیں سارے بیسوا کے پیار کی طرح
اگر دوستی بھی ہے تو کاروبار کی طرح

دل میں مرے تو خواہشوں کا ایک ہجوم ہے
مصروف ہے یہ کوچہء دلدار کی طرح

اس زندگی کی دھوپ سے مرا وجود ہے
میں جی رہا ہوں سایہء دیوار کی طرح

دیکھو ہم کو نہ ڈرا ظلم کے طوفانوں سے
ڈوبتے دیکھے ہیں ہم نے بھی کنارے کتنے

ہم لبوں کو تو سیئے ہیں جو بڑی مدت سے
ہیں بکھی آگ میں موجود شرارے کتنے

جب مرا نام بھی لب پہ ترے آتا ہے
میری آنکھوں میں ابھرتے ہیں ستارے کتنے

یہ زمانے سے نفی ہم نے چھپا رکھا ہے
تیرے جلووں کے کیے ہم نے نظارے کتنے

تیری آمد کے یہ دیتے ہیں اشارے کتنے
میرے ہمدرد ہیں دیکھو تو ستارے کتنے

دیکھنا خود کو ہے تو لے لو ہماری آنکھیں
تم کو معلوم ہی کیا تم ہو پیارے کتنے

الترام اس کا کیا خواب کی تعبیر نہ ہو
میری آنکھوں میں مگر خواب اُتارے کتنے

جو دردِ دل کو بڑھا دیں پر ہمیز لازم ہے
غزل نما ہیں یہ چہرے انھیں پڑھا نہ کرو

تک مزاج سہی دل کا وہ برا تو نہیں
ذرا سی بات پہ تم دل نقی بُرا نہ کرو

میں بے وفائی کا خوگر ہوں تم وفا نہ کرو
بھلا سہی یہ مگر پھر بھی یہ بھلا نہ کرو

ہر ایک آنکھ میں دیکھا تمہارا عکس ملا
یوں بے نقاب زمانے میں تو پھرا نہ کرو

نہ جانیں آندھیاں کس دم مٹانے آجائیں
یہ نام اس کا کبھی ریت پر لکھا نہ کرو

اک تسلسل سے جی اس کی نگاہیں مجھ پر
وہ مجھے دیکھ کے کچھ سوچ رہا ہو جیسے

مجھ کو ویرانوں پہ جنت کا گماں ہوتا ہے
اب بھی وہ میرے خیالوں میں بسا ہو جیسے

یہ جو آتا ہے مرے ہونٹوں پہ تنہائی میں
یہ ترا نام نہیں حرفِ دُعا ہو جیسے

مدتوں یادِ درِ دل پر نہیں آئی کوئی
ایسے لگتا ہے مجھے بھول گیا ہو جیسے

زندگی مجھ کو ملی ایسے سزا ہو جیسے
یہ مری اور خطاؤں کی خطا ہو جیسے

وہ گیا کام سے اک بار ملا جو تجھ سے
وہ جیا ایسے کہ جینے سے خفا ہو جیسے

بن پئے آج نشے میں جو ہیں منظر سارے
اُس کی آنکھوں میں کبھی جھانک لیا ہو جیسے

